© rasailojaraid.com

لیکن اس کے ساتھ قرآن نے منافقین کی تحریف و تضلیل سے بھی مسلمانوں کو آگاہ کر دیا : و اما الذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ما تشابہ منہ ابتغاء الفتنۃ و ابتغاء تاویلہ ۔ اور وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے تو وہ متشابہات کے پیچھے لگ جاتے ہیں تاکہ فتنہ برپا کریں اور تاویل کی آڑ میں پناہ لیں ۔

تاریخ اسلام شاہد ہے کہ جب بھی مسلمان بیرونی دشمن کے مقابلے میں کمزور ہو جاتے ہیں تو اندرونی طور پر منافقین کی سر گرمیاں تیز ہو جاتی ہیں۔ یہ بدبخت ایسے فتنے برپا کرتے ہیں جس سے وہ تمام منصوبے پایہ تکمیل تک پہنچ جاتے ہیں جن کی تکمیل سے بیرونی دشمن قاصر رہتا ہے۔ پھر یہ لوگ اسلامی معاشرہ کی روا داری سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اسلامی مملکت میں نہ صرف امن سے رہتے ہیں بلکہ ایک مسلمان کے تمام حقوق ان کو مل جاتے ہیں۔ ابو جہل تو میدان جنگ میں جہنم رسید ہوا لیکن ابن ابی فتنے برپا کرتا ہوا اپنی موت سے مرا ۔

قرآن نے کفار اور منافقین دونوں سے جہاد کرنے کا حکم دیا ہے : یا ایھا النبی جاھد الکفار و المنافقین و اغلظ علیھم ،، اے نبی جہاد کرو منافقوں اور کافروں کے ساتھ اور ان پر سختی کرو - کفار اور منافقین دونوں کے خلاف جہاد فرض قرار دیا گیا ہے البتہ ہر ایک فریق کے خلاف جہاد کا اسلوب مختلف ہے۔

پھر ان دونوں میدانوں میں فتح اور کامرانی کے لئے ایک شرط رکھی گئی ہے ، اور وہ ہے کتاب اللہ اور رسول اللہ کی زندگی کو مشعل راہ بنانا " ان تنصروا اللہ ینصرکم ،، اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری امداد کرے گا اور فرمایا :" ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکم ،، اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا ۔

دونوں آیتوں کے ملانے سے یہ منطقی نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر تم کتاب وسنت کا راستہ اختیار کرو تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا مسلمانوں نے اس شرط کا تجربہ کیا اور نتیجے کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اقبال کا تصور فقر

محمود احمد غازی

فکر اقبال کی ہمہ گیری اور وسعت کا اندازہ اقبال کے تصور فقر سے بخوبی لگایا جا سکتاھے۔ اقبال نے انسان کامل یا فوق البشر کے بجائے فقر کا تصور پیش کیا ھے۔ ان کے نزدیک فقر ھی تمام انسانی ترقیوں کی سدرۃ المنتھی ھے۔ اقبال نے صاحب فقر کا اتنا اونچا تصور پیش کیا ھے کہ اس کے سامنے الجیلی کا انسان کامل اور نیٹشے کا فوق البشر وغیرہ ھیچ نظر آتے ھیں۔ اس کی وجہ یہ ھے کہ اقبال کا نظریہ٭ فقر قرآن کریم سے ماخوذ ھے۔ اقبال کا تصور فقر ایک ایسا جاندار تصور ھے جو کتاب جاوید (قرآن مجید) کی طرح ھمیشہ زندہ جاوید رھیگا۔

(۱)

چونکہ اقبال کا تصور فقر قرآن کریم سے ماخوذ ھے اس لئے مناسب معلوم ھوتا ھے کہ اس لفظ کے لغوی معنی نیز قرآن کریم اور اسلامی لٹریچر میں اس کے مفہوم و استعمال پر ایک نظر ڈال لی جائے۔

قرآن کریم میں لفظ فقر احتیاج اور لفظ فقیر صاحب احتیاج کے معنی میں استعمال ھوا ھے۔ اس سے مراد محض طبعی و فطری ضروریات ھی کی احتیاج نہیں بلکہ اس میں ان تمام وسائل اور اسباب کی احتیاج بھی شامل ھے جن کی انسان کو اپنے ذھنی، فکری روحانی اور مادی ارتقاء کے لئے ضرورت ھے۔ قرآن کریم کی آیت ”رب انی لما انزلت الی من خیر فقیر (۲۸ : ۲۴) میں فقیر سے محتاج ھی کے معنی مراد ھیں۔ حضرت موسی علیہ السلام نے خدا تعالی سے عرض کیا تھا کہ اے رب جو کچھ بھی تونے میرے لئے خیر میں سے بھیجا ھے میں اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی احتیاج رکھتا ہوں۔ خیر میں نہ صرف طبعی ضرورتیں شامل ہیں بلکہ شرف انسانیت کے حصول کے لئے جن اسباب و وسائل کی ضرورت کسی انسان کو ہوتی ہے وہ بھی سب خیر میں شامل ہیں۔ اس اعتبار سے کائنات میں پائی جانے والی ہر شے فقیر ہے، اس لئے کہ وہ نہ صرف اپنی تکمیل ذات، تربیت خودی اور اپنے نشو و ارتقاء کے لئے بلکہ اپنے وجود و بقاء کے لئے بھی پروردگار عالم کی محتاج ہے، آیت قرآنی ہے:

یسئله من فی السموات و الارض (۵۵ : ۲۹)

کائنات کی ہر شے اسی سے (اپنی ضروریات کا) سوال کرتی ہے۔ سورۂ فاطر میں تمام بنی نوع انسان کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے:

یا ایها الناس انتم الفقراء إلی الله و الله هو الغنی الحمید (۳۵ : ۱۵)

یعنی تم سب اپنی بقاء، اپنی نشو و نما، اور اپنی خودی کی تکمیل کے لئے اللہ کے محتاج ہو اور وہ کسی بھی معاملہ میں تمہارا محتاج نہیں۔ بلکہ محمود و بے نیاز ہے۔

امام راغب اصفہانی نے فقر کی تشریح اور اس کا قرآنی استعمال بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ لفظ چار مفہوم کے لئے استعمال ہوتا ہے:

اول: طبعی ضروریات و حوائج کا پایا جانا۔ فقر کی یہ قسم ایسی ہے جو نہ صرف ہر انسان کے ساتھ جب تک وہ دنیا میں موجود ہے خاص ہے بلکہ دوسرے تمام موجودات بھی اس سے خالی نہیں۔ آیت قرآنی "یا ایها الناس انتم الفقراء الی الله" (اے لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو ۳۵ : ۱۵) میں فقر سے یہی فقر مراد ہے۔ اسی طرح آیت قرآنی "و ما جعلنا هم جسدا لا یاکلون الطعام، و ما کانوا خالدین"۔ (اور ہم نے انہیں خالی بدن نہ بنایا کہ کھانا نہ کھائیں اور وہ دنیا میں ہمیشہ رہنے والے نہیں ہیں۔ ۲۱ : ۸) میں فقر کی مزید تشریح و توضیح کی گئی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوم :۔ ان چیزوں کا موجود نہ ہونا جن کی انسان کو اپنی معیشت اور معاشرت کے سلسلہ میں ضرورت ہے۔ مناسب اور ضروری مقدار میں ذرائع معاش کا نہ ہونا بھی فقر میں داخل ہے۔ اس معنی میں یہ لفظ ان آیات میں استعمال ہوا ہے :

للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ لا یستطیعون ضرباً فی الارض ، یحسبھم الجاھل اغنیاء من التعفف۔ (خیرات تو) ان حاجت مندوں کا حق ہے جو اللہ کی راہ میں گھرے بیٹھے ہیں، ملک میں کسی طرف کو (جانا چاہیں تو) جا نہیں سکتے ، (جو شخص ان کے حال سے) بےخبر (ہے وہ) ان کی خود داری (کی وجہ) سے ان کو غنی سمجھتا ہے (۲ : ۲۷۳)

ان یکونوا فقراء یغنھم اللہ من فضلہ۔ اگر یہ لوگ محتاج ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے گا۔ (النور: ۳۲)

انما الصدقات للفقراء و المساکین۔ خیرات (کا مال) تو بس فقیروں کا حق ہے اور محتاجوں کا۔ (التوبہ : ٦٠)

فقر کی تیسری قسم فقر نفس ہے ، یعنی ، لالچ اور حرص و آز، یہ مفہوم عدم قناعت کے مترادف ہے۔ اس معنی میں یہ لفظ اس حدیث میں آیا ہے کاد الفقر أن یکون کفرا۔ قریب ہے کہ فقر کفر ہو جائے۔ اسی مفہوم کی ضد میں یہ حدیث ہے : الغنی غنی النفس۔ بے نیازی اور تو نگری فی الحقیقت دل کی بےنیازی اور تو نگری ہے۔

فقر کی چوتھی قسم وہ ہے جو اس حدیث سے مستنبط ہوتی ہے :

اللھم اغننی بالافتقار الیک ولا تفقرنی بالاستغناء عنک۔ اے اللہ مجھ کو صرف اپنا محتاج بنا کر (اوروں سے) بےنیاز کر دے اور مجھ کو اپنے سے بےنیاز کر کے (اوروں کا) محتاج نہ بنا۔ قرآن کریم کی یہ آیت بھی اسی مفہوم کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حامل ہے : رب انی لما انزلت الی من خیر فقیر (۲۸ : ۲۴) ۔ اے پروردگار ! میں اس کا محتاج ہوں جو کچھ تو نے مجھ پر اپنی نعمت نازل فرمائی ۔ اسی مفہوم میں یہ لفظ شاعر کے اس شعر میں استعمال ہوا ہے :

و یعجبنی فقری الیک و لم یکن لیعجبنی لولا محبتک الفقر

اور مجھ کو یہ بات بھلی معلوم ہوتی ہے کہ میں تیرا ہی محتاج رہوں ۔ اگر مجھ کو تجھ سے محبت نہ ہوتی تو مجھ کو یہ محتاجی کبھی بھلی نہ لگتی (۱)

(۲)

صدر اسلام میں یہ لفظ — فقر — استغناء اور احتیاج الی اللہ کے مفہوم میں استعمال ہوتا رہا ہے ، تصوف کے مخصوص اصطلاحی معنی میں غالباً غزالی نے سب سے پہلے اس لفظ کا استعمال کیا ۔ انھوں نے '' احیاء علوم الدین '' میں فقر اور اس کی خصوصیات سے تفصیل سے بحث کی ہے ۔ فقر پر ان کا سلسلۂ بحث تقریباً پچیس تیس صفحات پر پھیلا ہوا ہے ۔

غزالی کے نزدیک فقر سے مراد ان چیزوں کا فقدان ہے جن کی انسان کو ضرورت ہے ، جن چیزوں کی انسان کو ضرورت نہیں ان کے نہ ہونے کو فقر نہیں کہا جا سکتا ۔

لہذا اللہ تعالی کے علاوہ ہر موجود شے فقیر ہے ، اس لئے کہ وہ اپنے وجود کے لئے اللہ تعالی کی محتاج ہے ۔ کائنات میں صرف وہی ایک ذات ہے جو ہر قسم کے فقر سے بالا تر ہے اور حقیقی معنی میں غنی اور صمد ہے ۔ اس سلسلہ میں غزالی نے آیت قرآنی (یا ایھا الناس انتم الفقراء الی اللہ و اللہ ھو الغنی الحمید (۳۵ : ۱۵) لوگو ! تم (ہمہ وقت) خدا کے محتاج ہو ، اور خدا (جو ہے تو) وہی بے نیاز (ہے اور ساری) خوبیاں رکھتا ہے ۔ کی مثال دی ہے ۔ (۲)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آگے چل کر غزالی کہتے ہیں کہ مال و دولت کے بارے میں انسان کے رویہ اور رد عمل کے اعتبار سے انسان کے چھ درجے ہیں، ان میں سے ہر درجہ کو فقر کہا جاتا ہے:

۱ - مستغنی: یہ فقیر کی سب سے اعلی قسم ہے۔ استغناء کا مفہوم یہ ہے کہ انسان کے نزدیک مال و دولت اور جاہ و منزلت کا ہونا نہ ہونا برابر ہو۔ یہ چیزیں اگر اس کو آپ سے آپ حاصل ہو جائیں تو وہ کوئی خوشی محسوس نہ کرے، اور اگر اس سے چھن جائیں تو اس کو دکھ نہ ہو۔

۲ - زاہد: یہ وہ شخص ہے جو مال و دولت سے نفرت کرتا ہے اور اس سے دور بھاگتا ہے۔ اس کو محض اس وجہ سے مال و دوات ناپسند ہے کہ یہ چیز اس کی مشغولیت اور توجہ کو تقسیم کرتی ہے۔ یہ فقر کا دوسرا درجہ ہے۔

۳ - راضی: وہ فقیر ہے جس کو حصول مال سے دلچسپی تو نہ ہو لیکن اس کے حصول سے خوشی ضرور ہو، یا ایسی نا پسندیدگی نہ ہو جس سے اس کے دل کو کدورت پہنچے۔ یہ فقر کا تیسرا درجہ ہے۔

۴ - قانع: یہ فقیر کی وہ قسم ہے جس کے نزدیک مال کا ہونا نہ ہونے سے بہتر ہے۔ اس کو حصول مال سے دلچسپی بھی ہے لیکن اس قدر نہیں کہ اس کے لئے سعی و کاوش کرے۔ اگر حلال و طیب مال اس کو مل جاتا ہے تو لے لیتا ہے اگر اس کے حصول میں مشقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو باز رہتا ہے۔

۵ - حریص: وہ ہے جو حصول مال سے نہایت دلچسپی رکھتا ہو، اور محض اس لئے اس کے حصول میں کوشاں نہ ہو کہ ایسا کرنا اس کے لئے ممکن نہ ہو، اگر انتہائی مشقت جھیل کر بھی وہ یہ کام کر سکتا ہے تو دریغ نہیں کرتا۔ یہ فقر کی پانچویں قسم ہے جسکی طلب درست نہیں۔ یہی وہ فقر ہے جو بسا اوقات کفر تک پہنچا دیتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲ ۔ مضطر : جس کے پاس مال و دولت کا نہ ہونا امر اضطراری ہو ، جیسے بھوکے کے لئے روٹی اور ننگے کے لئے کپڑا نہ ہونا ۔ یہی وہ فقر ہے جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے پناہ مانگی ہے ۔ (۳)

ان میں سے ہر ایک مفہوم کے لئے لفظ فقر کا استعمال قرآن کریم ، احادیث نبویہ اور اسلامی کتب قدیمہ میں موجود ہے ۔

(۳)

جیسا کہ آئندہ صفحات میں واضح کیا جائے گا اقبال کا فلسفہ فقر ان کے فلسفۂ خودی کے منتہائے کمال سے عبارت ہے ۔ اقبال نے سنہ ۱۹۱۵ء میں ''اسرار خودی'' کے ذریعے اپنے فلسفۂ خودی سے دنیا کو روشناس کرایا تھا ۔ ۱۹۱۸ء میں '' رموز بےخودی '' میں انھوں نے خودی کے ایک دوسرے اہم پہلو یعنی انفرادی اور اجتماعی خودی کے آپس کے تعلق کو واضح کیا ۔ اس کے بعد جیسے جیسے وہ خودی کے مختلف مدارج اور اس کی پہنائیوں میں غور کرتے رہے ان کے قلب و دماغ پر فلسفۂ خودی کی ہمہ گیری ، بلندی اور گہرائی واضح ہوتی گئی ۔ تقریباً دس بارہ سال کے پیہم غور و فکر اور مسلسل تدبر کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ خودی کی پختگی اور تکمیل سے فقر کی تشکیل ہوتی ہے ، یعنی جب خودی اپنے تمام درمیانی مدارج طے کرنے کے بعد مرتبۂ کمال کو پہنچتی ہے تو فقر کا روپ دھار لیتی ہے ۔ پروفیسر محمد یوسف سلیم چشتی کے الفاظ میں فقر کمالات انسانی کا دوسرا نام ہے (۴) ۔

علامہ اقبال نے فقر کو ایک تصور اور نظریہ کے طور پر پہلی مرتبہ ''جاویدنامہ'' میں پیش کیا ۔ بعد کی تمام تصانیف (''مثنوی مسافر '' ، '' بال جبرئیل '' ، '' ضرب کلیم '' ، '' مثنوی پس چہ باید کرد اے اقوام شرق '' اور '' ارمغان حجاز '') میں نہایت زور و شور ، ذوق و شوق اور جوش و خروش سے انھوں نے اپنے نظریہ فقر کی تشریح و توضیح کی ۔ حامل فقر (فقیر) کی گوناگوں صفات و خصوصیات کی وجہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے اقبال نے اس کو مختلف الفاظ و مصطلحات میں ادا کیا ہے۔ فقیر کے لئے انھوں نے مرد حر، بندۂ مومن، قلندر، مرد آزاد اور ' عبدہ، وغیرہ کی اصطلاحات استعمال کی ھیں۔ فقر کے موضوع پر اقبال کے متعلقہ اشعار کا مطالعہ کرنے سے معلوم ھوتا ہے کہ قرآن کریم اور حدیث نبوی کے بعد گذشتہ چودہ سو سالوں میں علامہ اقبال غالباً پہلے مفکر ھیں جنھوں نے اس قدر عمدگی کے ساتھ مقام آدمیت کو واضح کیا ہے۔ فقیر، مرد حر، بندہ مومن، قلندر، مرد آزاد، اور 'عبدہ' کی صفات کا مطالعہ کیجیئے تو یہ رائے یقین و ایمان کا درجہ حاصل کر لیتی ہے کہ انسان (بندۂ مؤمن) واقعی اشرف المخلوقات ہے، اور خالق کے بعد اولین حیثیت کا مالک ہے۔

ترتیب زمانی کے اعتبار سے غالباً '' جاوید نامہ '' کے درج ذیل اشعار میں علامہ اقبال نے پہلی مرتبہ اپنے تصور فقر کو دنیا کے سامنے پیش کیا :

فقر قرآن اصل شاھنشاھی است   جز بقرآن ضیغمی روباھی است

فکر را کامل ندیدم جزبہ ذکر (۵)   فقر قرآن اختلاط ذکر و فکر

ان اشعار میں علامہ اقبال نے ذکر و فکر کے اختلاط کو فقر سے تعبیر کیا ہے۔ ذکر سے مراد قرآن کریم اور اس کی تعلیمات ھیں، قرآن کریم میں بھی یہ لفظ -- الذکر، ذکر -- اسی مفہوم میں متعدد بار استعمال ھوا ہے:

انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحافظون۔ بےشک ھم ھی نے یہ قرآن اتارا ہے اور یقیناً ھم خود ھی اس کے نگہبان ھیں۔ (الحج : ۹)

و ذکر اسم ربه فصلی۔ اور اپنے رب کا نام لے کر (یعنی اس کے حکم کی تعمیل کرتے ھوئے) نماز پڑھی۔ (الاعلی : ۱۵)

من اعرض عن ذکری فان له معیشة ضنکا۔ اور جس نے میری یاد (میرے قرآن اور میرے احکامات کی تعمیل) سے منہ موڑا تو بےشک اس کے لئے زندگانی تنگ ہے (طٰہٰ : ۱۲۴)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"و لقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر" اور بے شک ہم نے آسان کیا قرآن کو یاد کرنے کے لئے (عمل کرنے کے لئے) تو ہے کوئی یاد کرنے والا ۔ (القمر : ۲۲)

ان آیات میں تدبر کرنے سے صاف پتا چلتا ہے کہ قرآن حکیم کی رو سے الذکر سے مراد قرآن کریم ، اس کی تعلیمات ، خدا کے احکام اور ان پر عمل کرنا ہے ۔ اسی معنی کے پیش نظر اہل تصوف کی اصطلاح — ذکر — رواج پذیر ہوئی ، اگرچہ آگے چل کر ذکر کا مفہوم صرف ضربیں لگانے اور ہو حق کرنے کے مترادف ہو کر رہ گیا ۔ فکر سے مراد ہے مواہب عقلیہ و ذہنیہ سے کام لینا اور الذکر ، کی روشنی میں صراط مستقیم پر قائم رہنے کے لئے اس کو استعمال کرنا ۔

"جاوید نامہ" کے محولہ بالا اشعار پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی تعلیمات پر صحیح معنی میں عمل کرنے اور ان کو مکمل طور پر زندگی کے ہر گوشہ میں جاری و ساری کرنے سے جو کیفیت یا حالت پیدا ہوتی ہے اس کا اصطلاحی نام اقبال کے ہاں فقر ہے ، اس لئے کہ اقبال کی رائے میں قرآنی ہدایت حاصل کئے بغیر دنیا میں جبھ بھی کوئی نظام حکومت یا نظام تمدن قائم کیا جائے گا وہ ہمیشہ دھوکہ ، فریب ، ظلم اور روباہی ثابت ہوگا ۔ اس سے بچنے کے لئے فقر قرآنی کو اختیار کیا جانا چاہئے کہ وہی نظام تمدن کی پائدار بنیاد ثابت ہو سکتا ہے ۔ مرتبہ فقر پر فائز ہونے کا واحد طریقہ عقل و نقل — ذکر و فکر — کو صحیح توازن اور بہتر نسبت کے ساتھ اس چمن زار بود و عدم کے معاملات میں رو بعمل لانا ہے ۔ یہ دونوں (ذکر و فکر) ایک دوسرے کے تتمے اور معاون و مدد گار ہیں ۔ قرآن کریم میں صاحب عقل اہل ایمان کی صفات بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے :

"یذکرون اللہ قیاماً و قعودا و علی جنوبھم و یتفکرون فی خلق السموات و الارض" ۔ (آل عمران : ۱۹۱)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(یہ لوگ) کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر پڑے خدا کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی ساخت میں غور و فکر کرتے ہیں۔

جب یہ دونوں صفتیں مسلمان میں بدرجۂ اتم پیدا ہو جاتی ہیں تو وہ صحیح معنوں میں مؤمن (فقیر) بن جاتا ہے۔

فقر کے لغوی معنی میں چونکہ احتیاج اور افلاس کے معنی بھی شامل ہیں اس لئے اس سے یہ غلط فہمی ہو سکتی ہے کہ فقر سے مراد رہبانیت، ترک دنیا، اور معاشی احتیاج کے ہیں۔ اقبال نے متعدد مقامات پر اس غلط فہمی کو دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایک جگہ کہتے ہیں :

میں ایسے فقر سے اے اہل حلقہ باز آیا   تمہارا فقر ہے بے دولتی و رنجوری (۶)

ایک دوسرے مقام پر فقر پر عمل پیرا ہونے کی تبلیغ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر تم بڑے دولت مند اور مالدار ہو تب بھی فقر کو ہرگز ہاتھ سے نہ جانے دو۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اقبال کے نزدیک فقر کا مفہوم معاشی تنگدستی ہرگز نہیں۔ کہتے ہیں :

گرچہ باشی از خداوندان دہ   فقر را از کف مدہ از کف مدہ (۷)

اسی طرح رہبانیت کا بھی فقر سے کوئی تعلق نہیں۔ فقیر راہب کیسے ہو سکتا ہے۔ فقیر تو وہ شکاری ہے جس کی ہمت مردانہ کے سامنے جبریل بھی "صیدزبوں" ہے اور وہ جبریل سے بھی بڑھ کر کسی "صید" پر کمند ڈالنے کی فکر میں غلطاں و پیچاں رہتا ہے۔

اے کہ از ترک جہاں گوئی مگو   ترک ایں دیر کہن تسخیر او

فقر مومن چیست؟ تسخیر جہات   بندہ از تاثیر او مولا صفات (۸)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۴)

سطور بالا میں عرض کیا جا چکا ہے کہ علامہ اقبال کے نزدیک فقر کی تثبیت انتہائے کمال خودی سے ہوتی ہے۔ جب خودی اپنی تربیت کے مختلف مراحل طے کر کے پختگی حاصل کرتی ہے تو اس میں فقر کی شان پیدا ہو جاتی ہے۔ فقر پر کلام کرنے کے ساتھ ساتھ ضروری ہے کہ ''خودی'' کی مختصر تشریح اور فقر کے ساتھ اس کے تعلق کو بھی واضح کیا جائے، تاکہ فلسفۂ فقر کو اقبال کے نظام فکر کے اندر رکھ کر دیکھا اور سمجھا جا سکے۔

اقبال کے نظام فکر میں ان کے فلسفۂ خودی کو بنیادی اور اساسی حیثیت حاصل ہے۔ سنہ ۱۹۰۵ء سے لے کر سنہ ۱۹۱۵ء تک مسلسل دس سال کے غور و فکر کے بعد ان کے ذہن میں فلسفۂ خودی کی تفصیلات واضح طور پر متعین ہوئیں۔ سنہ ۱۹۱۵ء میں ''اسرار خودی'' کی اشاعت سے لے کر سنہ ۱۹۳۸ء میں ''ارمغان حجاز'' کی ترتیب و تدوین تک کامل چوبیس سال تک انہوں نے خودی، اس کے مدارج، اس کے مقاصد، نتائج اور خصوصیات و ممیزات سے گونا گوں انداز میں بحث کی۔ اقبال کی رائے میں یہ چمن زار بود و نبود، اسی خودی کی بدولت معرض وجود میں آیا، اور یہ خودی ہی ہے جس کی بدولت یہ عالم فردا و دوش ترقی کے مراحل دمبدم طے کر رہا ہے، اس ہنگامۂ ناؤ نوش میں ہم کو جو کچھ نظر آتا ہے یہ سب خودی مطلق ہی کے مختلف مظاہر ہیں، مقاصد فطرت کی حقیقی نگہبان یہی خودی ہے اور یہی ان کو پایۂ تکمیل تک پہنچا رہی ہے۔ اقبال کی رائے میں ''اصل نظام عالم از خودی است و تسلسل حیات تعینات وجود بر استحکام خودی انحصار دارد''۔ خودی کی اس ہمہ گیری اور وسعت کو بیان کرتے ہوئے ''اسرار خودی'' میں کہتے ہیں:

پیکر ہستی ز آثار خودی است　　ہر چہ می بینی ز اسرار خودی است

خویشتن را چو خودی بیدار کرد　　آشکارا عالم پندار کرد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صد جہان پوشیدہ اندر ذات او　　غیر او پیدا ست از اثبات او

وسعت ایام جولانگاہ او　　آسمان موجے ز گرد راہ او

وا نمودن خویش را خوئے خودی است　　خفتہ در ہر ذرہ نیروئے خودی است

چون حیات عالم از زور خودی است　　پس بقدر استواری زندگی است (۹)

ان تمام اشعار میں خودی سے مراد خودی مطلق ہے۔ بعد کے تمام اشعار میں وہ خودی مقید سے بحث کرتے ہیں، یعنی وہ خودی جو ہم کو قیود زمان و مکان میں مقید نظر آتی ہے، جس کی معراج کمال یہ ہے کہ وہ خود کو خودی مطلق سے قریب سے قریب تر کرکے اس کی لقاء حاصل کرے اور اس طرح زمان و مکان کی حدود سے بالا تر ہو جائے کہ یہی مقصد حیات ہے اور اسی کا نام فقر ہے۔ اس مقصد حیات کو حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ خودی کو اول اپنے وجود کا احساس اور اپنی ذات کا تعین نصیب ہو۔ اس کو اپنے مقصد، نصب العین، آرزو اور مدعا سے علی وجہ البصیرت آگاہی حاصل ہو، عشق و محبت کے ہتھیار اس کو میسر ہوں۔ احساس خودی کے بعد دوسرا مرحلہ تربیت خودی کا آتا ہے۔ تربیت خودی کے اقبال نے تین ذیلی مراحل بیان کیئے ہیں (۱۰) :

اطاعت :

تربیت خودی کا اولین مرحلہ دستور حیات کی پابندی ہے۔ جو شخص خود کو اس ضابطہ کا پابند نہیں بنا سکتا یا کسل اور سہل پسندی کی وجہ سے اس پابندی سے فرار کا طالب ہوتا ہے وہ کبھی بھی تربیت خودی میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ضابطۂ حیات کی اس کڑی پابندی سے یہ خیال پیدا نہ ہونا چاہئے کہ یہ حریت انسانی کے منافی ہے۔ اس لئے کہ آئین و دستور کی پابندی ہی سے انسان میں وہ اعلی اوصاف پیدا ہوتے ہیں جن کی وجہ سے انسان کو اپنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"آپ" پر تسلط حاصل ہو جاتا ہے ، یا اہل تصوف کی اصطلاح میں اس کا نفس امارہ اس کے قبضے میں آ جاتا ہے ۔ اس طرح بے راہ روی ، قانون شکنی اور خواہش پرستی کی بیخ کنی ہو جاتی ہے اور اس کے نتیجے میں انسان کو وہ سچی اور حقیقی آزادی نصیب ہوتی ہے جو نوع انسانی کا ازل سے نصب العین رہی ہے ۔

تو هم از بار اطاعت سرمتاب بر خوری از "عنده حسن المآب"
در اطاعت کوش اے غفلت شعار می شود از جبر پیدا اختیار
نا کس از فرمان پذیری کس شود آتش ار باشد ز طغیان خس شود
هر که تسخیر مه و پروین کند خویش را زنجیری آئین کند(۱۱)

دوسرے شعر (در اطاعت کوش الخ) کی تشریح کرتے ہوئے خود علامہ اقبال حاشیہ میں لکھتے ہیں "۔ ۔ ۔ اعلی اور سچی حریت اطاعت یعنی پابندی فرائض سے پیدا ہوتی ہے" ۔ اطاعت ، پابندی فرائض اور پیروی آئین کی اہمیت اور ضرورت واضح کرنے کے بعد اقبال اس دستور حیات کی نشاندہی کرتے ہیں جس کی پابندی کرنے سے یہ حریت نصیب ہوتی ہے :

شکوہ سنج سختی آئین مشو از حدود مصطفیؐ بیروں مرو(۱۲)

ضبط نفس :

اقبال کہتے ہیں کہ نفس انسانی فطری طور پر "خود پرور" واقع ہوا ہے ، اللہ تعالیٰ نے انسان کی جبلت میں خوف ، شہوت اور حب مال و جاہ کے اوصاف بھی ودیعت کر دیئے ہیں۔ اس کا نفس امارہ اس کو پے در پے خود غرضی ، تکبر ، نافرمانی اور سرکشی کی ترغیب دیتا رہتا ہے۔ اس لئے جب تک وہ اپنے سفلی جذبات پر قابو حاصل نہیں کرےگا اس وقت تک نہ وہ صحیح معنوں میں اطاعت کر سکے گا اور نہ اس کو ضبط نفس کی دولت نصیب ہوگی ، اس لئے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

هر که بر خود نیست فرمانش رواں　　می شود فرماں پذیر از دیگراں (۱۳)

انسان چونکہ مجموعۂ آب و گل ہے اس لئے وہ فطرۃً اپنے تن کی پرورش کو دوسرے امور پر ترجیح دینے پر آمادہ رہتا ہے۔ وہ فحش و منکر میں پڑ کر اپنی خودی کو کمزور کرنے کے درپے ہو جاتا ہے۔ اس الجھن سے بچنے کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ '' لا الہ '' کی تلوار سے وہ خوف و شہوت کے بتوں کو توڑ ڈالے اور اپنی خودی کو ان خطرات سے محفوظ کر لے۔ کہتے ہیں :

امتزاج ماء و طیں تن پرور است　　کشتۂ فحشاء ہلاک منکر است

تا عصائے لا الہ آری بدست　　ہر طلسم خوف را خواہی شکست

ہر کہ حق باشد چو جاں اندر تنش　　خم نگردد پیش باطل گردنش

ہر کہ در اقلیم لا آباد شد　　فارغ از بند زن و اولاد شد (۱۴)

اطاعت اور ضبط نفس کے مراحل سے گذرنے کے بعد خودی میں اس قدر پختگی آ جاتی ہے کہ وہ باطل کے سامنے گردن خم نہیں کرتی اور دنیاوی الجھنوں سے ماورا ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد تیسرا اور آخری مرحلہ آتا ہے۔

نیابت الہی :

تربیت خودی کا تیسرا اور آخری مرحلہ نیابت الہی ہے۔ اطاعت آئین اور ضبط نفس کے نتیجے میں انسان کی خودی مستحکم ہو جاتی ہے تو اس کو نیابت الہی کا مقام حاصل ہو جاتا ہے اور یہی وہ مقام ہے جس پر فائز ہونے والے کو علامہ اقبال نے نائب حق ، مرد فقیر ، قلندر ، مرد حر ، مرد مؤمن ، عبدہ ، سوار اشہب دوراں ، فروغ دیدۂ امکاں اور اس طرح کے دوسرے جلیل القدر خطابات سے یاد کیا ہے۔ یہ تمام اصطلاحات ایک ہی مفہوم پر دلالت کرتی ہیں ، اسی لئے اقبال نے ایک ہی قسم کے اوصاف کو ان سب کے ساتھ منسوب کیا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں :

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غلامی کیا ہے؟ ذوق حسن و زیبائی سے محرومی
جسے زیبا کہیں آزاد بندے ہے وہی زیبا

بھروسہ کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر
کہ دنیا میں فقط مردان حر کی آنکھ ہے بینا (۱۵)

ان اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں خیر و شر کا معیار صرف مردان حق ہیں۔ مرد حق یا مرد حر جس کو زیبا (خیر) قرار دے، وہی زیبا ہو سکتا ہے۔ ایک دوسرے مقام پر نائب حق کے اوصاف بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ غالب و کار آفریں، کارکشا، کارساز

خاکی و نوری نہاد بندۂ مولی صفات ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز (۱۶)

مرد مومن جب نیابت حق کے مرتبہ پر فائز ہوتا ہے تو اس کے نفس میں فطرت کی تمام قوتیں مرتکز ہو جاتی ہیں۔ اس میں تسخیر کائنات کی غیر معمولی صلاحیتیں پیدا ہو جاتی ہیں، جن کی وجہ سے وہ خود کو اس جلیل القدر مرتبہ کا اہل ثابت کر دیتا ہے۔ اس میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ افکار کی دنیا میں زلزلہ پیدا کر دے اور تقدیروں میں انقلاب برپا کر دے۔

کوئی اندازہ کرسکتا ہے اس کے زور بازو کا
نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں (۱۷)

"بال جبریل" میں ایک جگہ اقبال نے اپنی کچھ صفات بیان کی ہیں۔ اس سلسلہ میں متعلقہ اشعار پر نظر ڈالنے سے وہ بیشتر صفات سامنے آجاتی ہیں جو اقبال ایک مرد فقیر میں دیکھنا چاہتے ہیں:

فطرت نے مجھے بخشے ہیں جوہر ملکوتی خاکی ہوں مگر خاک سے رکھتا نہیں پیوند

درویش خدا مست نہ شرقی ہے نہ غربی گھر میرا نہ دلی نہ صفاہان نہ سمرقند

کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق نے ابلہ مسجد ہوں نہ تہذیب کا فرزند

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند
مشکل ہے کہ اک بندۂ حق بین و حق اندیش خاشاک کے تودے کو کہے کوہ دماوند
ہوں آتش نمرود کے شعلوں میں بھی خاموش میں بندۂ مومن ہوں نہیں دانۂ اسپند
پر سوز و نظر باز و نکو بین و کم آزار آزاد و گرفتار و تہی کیسہ و خورسند
ہر حال میں میرا دل بے قید ہے خرم
کیا چھینے گا غنچے سے کوئی ذوق شکر خند (۸۱)

مرد حق کے یہی وہ اوصاف ہیں جن کی وجہ سے ان اوصاف کا حامل اقبال کے لئے "آئیڈیل" کی حیثیت رکھتا ہے۔ مرد حق (فقیر) زمان و مکان کی قیود سے آزاد ہوتا ہے، عناصر کائنات پر اس کی حکمرانی قائم ہو جاتی ہے، وہ روح کائنات کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے، اس کا وجود دنیا میں خدا تعالی کا سایۂ رحمت ہوتا ہے، وہ دنیا میں خدا کے احکام کو نافذ کرتا ہے، اس میں یہ تاثیر پیدا ہو جاتی ہے کہ اس کی صحبت سے ہر ناقص کامل اور ہر خام پختہ ہو جاتا ہے، وہ اپنے عمل سے زندگی میں انقلاب برپا کرتا ہے، وہ لوگوں کے فکر وعمل کی اصلاح کرتا ہے، اور اس طرح ایک نئی دنیا کی طرح ڈالتا ہے۔

خودی سے اس طلسم رنگ و بو کو توڑ سکتے ہیں
یہی توحید تھی جس کو نہ تو سمجھا نہ میں سمجھا (۱۹)

(۵)

جب کوئی فرد یا کسی قوم کے متعدد افراد مذکورہ تین مراحل سے گزر کر درجۂ فقر پر فائز ہوتے ہیں تو انسانی تہذیب و تمدن اور انسانی معاشرہ پر ان کے بہت سے اثرات مترتب ہوتے ہیں۔ ان اثرات کو ہم فقر کے خارجی مظاہر کہہ سکتے ہیں۔ سب سے پہلے ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ فقر کے اثرات خود فقیر کی انفرادی زندگی پر کیا ہوتے ہیں اور اس کو کیا کیا خصوصیات عطا کی جاتی ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

. . . . اللہ کرے تجھ کو عطا فقر کی تلوار

قبضے میں یہ تلوار بھی آجائے تو مومن یا خالد جانباز ہے یا حیدر کرار (۲۰)

جب مؤمن کو فقر کی دولت حاصل ہو جاتی ہے تو وہ خالد و حیدر کی طرح خاشاک غیر اللہ کو شعلہ بن کر پھونک ڈالتا ہے۔ صاحب فقر کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ ملوکیت اور استبداد کے ساتھ کبھی بھی صلح نہیں کر سکتا۔ حضرت عمر، علی، ابوذر، سلمان فارسی، حضرت حسین، خالد (رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ) اور ان کے علاوہ جن جن بزرگوں کو اقبال نے تصور فقر کے سلسلہ میں بطور نمونہ اور مثال پیش کیا ہے ان سب میں یہ خصوصیت بدرجۂ اتم موجود ہے کہ وہ ملوکیت اور استبداد کے خلاف مدت العمر جہاد کرتے رہے۔ فقر کا سب سے اولین تقاضا یہی ہے کہ دنیا سے قیصریت اور کسرویت کا خاتمہ ہو۔

نہ ایراں میں رہے باقی نہ توراں میں رہے باقی
وہ بندے فقر تھا جن کا ہلاک قیصر و کسری (۲۱)

صاحب فقر اپنی فطرت کے اعتبار سے مجبور ہوتا ہے کہ سلاطین باطل کا مردانہ وار مقابلہ کرے اور سچ تو یہ ہے کہ فقیر کی ہیبت ہی سلاطین کو جھکا دینے کے لئے کافی ہوتی ہے:

یقیں پیدا کر اے ناداں یقیں سے ہاتھ آتی ہے
وہ درویشی کہ جس کے سامنے جھکتی ہے فغفوری (۲۲)

فقر اور سکون میں بعد المشرقین ہے۔ فقیر اپنے مقصد کے حصول کے لئے سراپا جد و جہد ہوتا ہے۔ وہ نہ صرف اپنی خودی کی تمام مخفی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر کائنات میں غلغلہ ڈال دینا چاہتا ہے بلکہ یہ مقصد بھی اس کے پیش نظر رہتا ہے کہ ان تمام لوگوں کو طوفانوں سے آشنا کر دے جو ہنوز ”سبک ساران ساحلہا“ ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عمرها در کعبہ و بتخانه می نالد حیات تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید برون

طرح نو می افگند اندر ضمیر کائنات ناله ها کز سینهٔ اهل نیاز آید برون (۲۳)

ایک جگه اپنے بارے میں پیشین گوئی کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

پس از من شعر من خوانند و دریا بند و می گویند

جہانے را دگرگوں کرد یک مرد خود آگا ہے (۲۴)

فقر فقیر کے اندر بے پناہ روحانی قوت و شجاعت پیدا کر دیتا ہے۔ یہی وہ قوت و شجاعت ہے جس کی بدولت مؤمن کائنات کو مسخر کرنے اور حدود زمان و مکان سے بالا تر ہو جانے میں کامیاب ہو جاتا ہے، بالفاظ دیگر اس میں خداوندی صفات پیدا ہو جاتی ہیں۔

فقر مومن چیست ؟ تسخیر جہات بنده از تاثیر او مولا صفات (۲۵)

هستی او بے جہات اندر جہات او حریم و در طوافش کائنات

یہ قوت و شجاعت اور روحانی ترقی کی یہ خواهش مؤمن کو اسقدر بلند حوصلہ بنا دیتی ہے کہ جبریل و میکائیل کے اوصاف تک اس کی نظر میں نہیں جچتے۔ وہ ان سب سے بڑھ کر کسی شے کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے۔

در دشت جنون من جبریل زبون صیدے یزداں بکمند آور اے همت مردانه (۲۶)

سب سے بڑی خصوصیت جو صاحب فقر کو نصیب ہوتی ہے وہ شان استغناء ہے۔ فقیر جو کائنات کو مسخر کر کے حدود زمان و مکان سے ماورا ہو جاتا ہے وہ کائنات یا زمان و مکان کا محتاج کیونکر ہو سکتا ہے۔ وہ صرف خدا پر نظر رکھتا ہے اور خدا ہی سے مدد و اعانت کا طالب ہوتا ہے۔

خاکی و نوری نہاد بندهٔ مولی صفات

ہر دو جہان سے غنی اس کا دل بے نیاز (۲۷)

خدا کے پاک بندوں کو حکومت میں غلامی میں

زرہ کوئی اگر محفوظ رکھتی ہے تو استغناء (۲۸)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہی وجہ ہے کہ جس قوم میں شان فقر پیدا ہو جائے وہ نہ کائنات میں کسی کی محکوم ہو سکتی ہے نہ ذلیل و خوار ہو سکتی ہے

خوار جہاں میں کبھی ہو نہیں سکتی وہ قوم
عشق ہو جس کا جسور فقر ہو جس کا غیور (۲۹)

فقیر چونکہ کائنات میں خدا کا نائب اور خلیفہ ہوتا ہے اس لئے اس میں خدائی صفات نہایت شدت سے جلوہ گر ہوتی ہیں۔ اقبال نے متعدد مقامات پر خدا وندی صفات کو مرد حر سے منسوب کیا ہے :

نائب حق در جہاں بودن خوش است — بر عناصر حکمران بودن خوش است
نائب حق ہمچو جان عالم است — ہستی او ظل اسم اعظم است
فطرتش معمور و می خواہد نمود — عالم دیگر بیارد در وجود
چوں عنان گیرد بدست آں شہسوار — تیز تر گردد سمند روزگار (۳۰)

کافر ہے تو ہے تابع تقدیر مسلمان — مؤمن ہے تو وہ آپ ہے تقدیر الہی (۳۱)

عبدہ صورت گر تقدیر ہا — اندرو ویرانہ ہا تعمیر ہا
عبد دیگر عبدہ چیزے دگر — ما سراپا انتظار او منتظر
عبد دہر است و دہر از عبدہ است — ما ہمہ رنگیم و او بے رنگ و بو است
عبدہ با ابتدا بے انتہاء است — عبدہ را صبح و شام ما کجا است
کس ز سر عبدہ آگاہ نیست — عبدہ جز سر الا اللہ نیست
لا الہ تیغ و دم او عبدہ — فاش تر خواہی بگو ہو عبدہ
عبدہ چند و چگون کائنات — عبدہ راز درون کائنات (۳۲)

جاوید نامہ ہی میں ایک دوسرے مقام پر اقبال مرد حق کے اوصاف بیان کرتے ہیں۔ جوش بیان ملاحظہ ہو :

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مرد حق از آسمان افتد چو برق   هیزم او شهر و دشت غرب و شرق
ما هنوز اندر ظلام کائنات   او شریک اهتمام کائنات
او کلیم و او مسیح و او خلیل   او محمد او کتاب او جبرئیل
آفتاب کائنات اهل دل   از شعاع او حیات اهل دل
اول اندر نار خود سوزد ترا   باز سلطانی بیاموزد تـــرا (۳۲)

اقبال کی رائے میں مرد حق (فقیر) مقصد تخلیق کائنات ہے۔ وہ کائنات کی روح ہے۔ اگر کائنات کو محفل کہا جائے تو مرد حق گرمی محفل ہے۔ کہتے ہیں:

نقطۂ پرکار حق مرد خدا کا یقیں   اور یہ عالم تمام وھم و طلسم و مجاز
عقل کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ   حلقۂ آفاق میں گرمئی محفل ہے وہ (۳۳)

فقر کی برکات جلیلہ میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ صاحب فقر کو کائنات کا حکمران بنا دیتا ہے۔ فقر کی بدولت صاحب فقر پر جہانگیری کے پوشیدہ اسرار کھل جاتے ہیں۔ بنجر زمین کی مٹی میں اکسیر کی خاصیت پیدا ہو جاتی ہے:

اک فقر سکھاتا ہے صیاد کو نخچیری   اک فقر سے کھلتے ہیں اسرار جہانگیری
اک فقر سے قوموں میں مسکینی و دلگیری   اک فقر سے مٹی میں خاصیت اکسیری
اک فقر ہے شبیری اس فقر میں ہے میری   میراث مسلمانی سر مایۂ شبیری (۳۵)

فقر بر کر و بیاں شبخون زند   بر نوامیس جہاں شبخون زند
با سلاطین در فتد مرد فقیر   از شکوہ بوریا لرزد سریر
از جنوں می افگند ھوئے بشہر   وا رھاند خلق را از جبر و قہر
قلب او را قوت از جذب و سلوک   پیش سلطان نعرۂ او لاملوک (۳۶)

فقر جہاں افراد کی زندگی میں خداوندی صفات پیدا کرتا ہے اور ان کو حلقۂ آفاق میں گرمی محفل کا رتبہ عطا کرتا ہے وھاں وہ اجتماع انسانی پر بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گہرے اثرات چھوڑتا ہے ۔ اقبال نے متعدد مقامات پر صدر اسلام کے اسلامی معاشرہ کے اوصاف بیان کئے ہیں ۔ اگر کسی معاشرہ کے بیشتر افراد کو فقر کی دولت میسر آجائے تو اس معاشرہ میں بھی وہ تمام اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے ۔ اپنے زمانے کے کئی ایک حکمرانوں کو اقبال نے اس فقیری معاشرہ کے قیام کی دعوت دی جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ و سلم نے قائم کیا تھا ۔ کہتے ہیں :

آں مسلماناں کہ میری کردہ اند در شہنشاہی فقیری کردہ اند
در امارت فقر را افزودہ اند مثل سلمان رض در مدائن بودہ اند
حکمرانے بود و سامانے نداشت دست او جز تیغ و قرآنے نداشت
ہر کہ عشق مصطفیٰ ص سامان اوست بحر و بر درگوشۂ داماں اوست (۳۷)

اپنی مشہور نظم ''مسجد قرطبہ'' میں اسلامی حکومت اور فقر کے باہمی تعلق کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں :

آہ وہ مردان حق وہ عربی شہ سوار حامل ''خلق عظیم'' صاحب صدق و یقیں
جن کی حکومت سے ہے فاش یہ رمز غریب سلطنت اہل دل فقر ہے شاہی نہیں (۳۸)

حکومت الہیہ اسی وقت صحیح معنی میں حکومت الہیہ ہو سکتی ہے جب اس کی بنیادیں فقر کے اصول پر قائم ہوں جیسے ہی فقر ریاست کے محرک کی حیثیت سے ختم ہوگا ریاست بھی اپنی آب و تاب سے محروم ہو جائے گی :

خوشا روزے کہ خود را باز گیری ہمیں فقر است کو بخشد امیری
خلافت ، فقر با تاج و سریر است زہے دولت کہ پایاں ناپذیر است
جواں بختا مدہ از دست ایں فقر کہ بے او بادشاہی زود میر است (۳۹)

(۶)

فقر کی تشریح و توضیح میں اقبال نے اس قدر لکھا ہے کہ اس کا احاطہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنا آسان نہیں۔ نہ یہ مختصر مضمون فقر کے گونا گوں پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کرنے کا متحمل ہو سکتا ہے۔ یہاں اقبال کی تحریر کا ایک اقتباس جس میں انھوں نے نثر میں بندۂ مومن کا مختصر مگر جامع تعارف پیش کیا ہے دیا جاتا ہے۔ اس تحریر سے اجمالاً ان تمام پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے جن کو اقبال نے بندۂ مومن کی تعریف و توصیف میں اپنے دواوین میں واضح کیا ہے:

''مسلم وہ خاک نہیں کہ خاک اسے جذب کر سکے، یہ ایک قوت نورانیہ ہے جو جامع ہے جواہر موسویت اور ابراھیمیت کی، آگ اسے چھو جائے تو برد و سلام بن جائے، پانی اس کی ہیبت سے خشک ہو جائے، آسمان و زمین میں یہ سما نہیں سکتی کہ یہ دونوں ہستیاں اس میں سمائی ہیں، پانی آگ کو جذب کر لیتا ہے، عدم بود کو کھا جاتا ہے، پستی بلندی میں سما جاتی ہے۔ مگر جو قوت جامع اضداد ہو اور محلل تمام تناقضات کی ہو اسے کون جذب کرے، مسلم کو موت نہیں چھو سکتی کہ اس کی قوت حیات و موت کو اپنے اندر جذب کر کے حیات و ممات کا تناقض مٹا چکی ہے۔ شاید نضیر نام ایک شخص تھا، پہلے حضور علیہ الصلاۃ و السلام کو سخت ایذا دیتا تھا۔ فتح مکہ کے بعد جب حضورؐ شہر میں داخل ہوئے تو ایک مجمع عام میں آپؐ نے علی مرتضیٰ رضؓ کو حکم دیا کہ اس کی گردن اڑادو۔ ذوالفقار حیدری نے ایک آن میں اس کمبخت کا خاتمہ کر دیا۔ اس کی لاش خاک و خون میں تڑپ رہی تھی۔ لیکن وہ ہستی جس کی آنکھوں میں دو شیزہ لڑکیوں سے بھی زیادہ حیا تھی جس کا قلب تأثرات لطیفہ کا سر چشمہ تھا اس درد انگیز منظر سے مطلق متأثر نہ ہوئی۔ نضیر کی بیٹی نے باپ کے قتل کی خبر سنی تو نوحہ و فریاد کرتی اور باپ کی جدائی میں درد انگیز اشعار پڑھتی ہوئی دربار نبوی میں حاضر ہوئی۔ اللہ اکبر! اشعار سنے تو حضورؐ اس قدر متأثر ہوئے کہ اس لڑکی کے ساتھ مل کر رونے لگے۔ یہاں تک کہ جوش ہمدردی نے اس سب سے زیادہ ضبط کرنے والے انسان کے سینے سے ایک آہ سرد نکلوا کر چھوڑی۔ پھر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نضیر کی تڑپتی ہوئی لاش کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ فعل محمد رسول اللہ کا ہے اور اپنی روتی ہوئی آنکھ پر انگلی رکھ کر کہا یہ فعل محمد ابن عبداللہ کا ہے۔ پھر حکم دیا کہ نضیر کے بعد کوئی شخص مکہ میں قتل نہ کیا جائے

غرض کہ اسی طرح مسلم حنیف جذبات متناقض یعنی قہر و محبت اپنے قلب کی گرمی سے تحلیل کرتا ہے اور اس کا دائرہ اثر اخلاقی تناقضات تک ہی محدود نہیں بلکہ تمام طبعی تناقضات پر بھی حاوی ہے۔ پھر مسلم جو حامل ہے محدثیت کا وارث ہے، موسویت کا اور ابراھیمیت کا کیونکر کسی شئے میں جذب ہو سکتا ہے۔ البتہ اس زمان و مکان کی مقید دنیا کے مرکز میں ایک ریگستان ہے جو مسلم کو جذب کر سکتا ہے۔ اور اس کی قوت جاذبہ ذوقی اور فطری نہیں، بلکہ مستعار ہے ایک کف پا سے جس نے اس ریگستان کے چمکتے ذروں کو کبھی پامال کیا تھا،،۔ (۴۰)

حواشی

۱) امام راغب الاصفہانی : المفردات فی غریب القرآن ، قاہرہ ۱۹۶۱ صفحہ ۳۸۳

۲) ابو حامد محمد الغزالی : احیاء علوم الدین ، قاہرہ ۱۹۳۹ جلد چہارم ص ۱۸۶

۳) حوالہ ما قبل

۴) شرح مثنوی پس چہ باید کرد از یوسف سلیم چشتی ، شرح باب " فقر "

۵) جاوید نامہ طبع پنجم ۱۹۶۳ ، ص ۸۹

۶) بال جبریل ، طبع پانز دھم ۱۹۶۶ ص ۶۴

۷) جاوید نامہ ، ص ۲۴۲

۸) مثنوی پس چہ باید کرد اے اقوام شرق ، طبع چہارم ، ۱۹۵۸ ص ۲۵ ، ۲۶

۹) مثنوی اسرار و رموز ، طبع ھفتم ۱۹۶۶ ، ص ۱۲ ، ۱۳ ، ۱۴

۱۰) حوالہ ما قبل ، ص ۴۴ ۔ ان مراحل سہ گانہ کی تفصیل اسی کتاب کے ص ۴۴ تا ۵۲ پر پھیلی ہوئی ہے

۱۱) حوالہ ما قبل ، ص ۴۵

۱۲) حوالہ ما قبل ، ص ۴۶

۱۳) حوالہ ما قبل ، ص ۴۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۴) حوالہ ما قبل ، ص ۴۷
۱۵) بال جبریل ، ص ۴۰
۱۶) حوالہ ما قبل ، ص ۱۳۲
۱۷) بانگ درا ، طبع بست و چہارم ، ۱۹۶۶ ، ص ۳۰۹
۱۸) بال جبریل ، ص ۳۴ - ۳۵
۱۹) حوالہ ما قبل ص ۳۷
۲۰) ضرب کلیم ، طبع دوازدہم ، ۱۹۶۵ ، ص ۲۱
۲۱) بال جبریل ، ص ۳۸
۲۲) حوالہ ما قبل ، ص ۸۷
۲۳) زبور عجم ، طبع ششم ، ۱۹۵۸ ، ص ۱۰۳
۲۴) حوالہ ما قبل ، ص ۱۴۳
۲۵) مثنوی پس چہ باید کرد اے اقوام شرق ، ص ۲۶
۲۶) پیام مشرق ، طبع دہم ۱۹۶۳ ، ص ۱۹۸
۲۷) بال جبریل ، ص ۱۳۲
۲۸) حوالہ ما قبل ، ص ۳۸
۲۹) ضرب کلیم ، ص ۴۸
۳۰) مثنوی اسرار و رموز ، ص ۴۹ ، ۵۰
۳۱) بال جبریل ، ص ۵۵
۳۲) جاوید نامہ ، ص ۱۵۰
۳۳) جاوید نامہ ، ص ۲۴۴
۳۴) بال جبریل ، ص ۱۳۲
۳۵) حوالہ ما قبل ص ۲۱۳
۳۶) مثنوی پس چہ باید کرد اے اقوام شرق ، ص ۲۳ ، ۲۴
۳۷) پیام مشرق ، ص ۸
۳۸) بال جبریل ، ص ۱۴۳
۳۹) ارمغان حجاز ، طبع ہشتم ، ۱۹۶۴ ، ص ۱۵۶ و ص ۱۱۰
۴۰) اقبال نامہ ، مجموعہ مکاتیب اقبال ، مرتبہ شیخ عطاءاللہ ، مطبوعہ لاہور ، تاریخ طباعت درج نہیں ۔ جلد اول صفحات ۴۲ - ۴۵ ، مکتوب بنام مولانا غلام قادر گرامی ۔ یاد رہے کہ یہ مکتوب ۱۲ اکتوبر ۱۹۱۸ء کو لکھا گیا تھا ۔

© rasailojaraid.com